منصبِ نبوت کا تشریعی مقام

عبدالرؤف ظفر*
میمونہ تبسم**

اسلام کامل ضابطہ حیات ہونے کے ناطے ،فکری اساسیات اور عملی تعلیمات کا حسین امتزاج ہے۔اس کی بنیادی تعلیمات جو کہ مسلمانوں کا دستور ہے قرآن میں موجود ہیں لیکن اسی دستور کی تشریح وتوضیح کی ضرورت باقی رہتی ہے۔اور یہ ضرورت الہامی تشریح وتوضیح یعنی سنت وحدیث کی شکل میں مہیا کی گئی ہے۔چونکہ عملی دین کی دعوت کے لیے عملی نمونہ ایک طبعی وفطری ضرورت ہے لہٰذا یہ ضرورت رسول اللہ ﷺ کو بطور نمونہ پیش کر کے پوری کی گئی ہے۔قرآن مجید میں ارشاد ہے:

لَقَدۡ كَانَ لَكُمۡ فِىۡ رَسُوۡلِ اللّٰهِ اُسۡوَةٌ حَسَنَةٌ(۱)

بے شک نبی کریمؐ کی ذات تمہارے لیے بہترین نمونہ ہے۔

مذکورہ بالا آیت نے دینی اور دنیاوی تمام امور میں رسول اللہ ﷺ کو اسوۂ قرار دیا اور اسے ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت کے لیے اساس قرار دیا ہے۔قرآن مجید نے رسول اللہ ﷺ کی سیرت کو بڑے ہی حکیمانہ انداز سے بیان کیا ہے۔اور اگر کوئی طالب حق ان تمام مقامات کو پڑھے تو سنت کی حجیت اور رسول اللہ ﷺ کی اتباع کی فرضیت میں اس کو کوئی شک باقی نہیں رہے گا۔

قرآن مجید میں کئی مقامات ایسے ہیں جن میں پیغمبر کی سنت اور اس کی تفسیر وتشریح کو قرآن مجید کی تفہیم اور عمل درآمد کے لیے لازم قرار دیا گیا ہے۔خود رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ألا إني أوتيت القرآن وما يعدله(۲)

یاد رکھو مجھے قرآن مجید بھی دیا گیا ہے اور اس کے برابر اتنا ہی اور بھی دیا گیا ہے۔

اس نکتہ کی مزید وضاحت کے لیے درج ذیل نکات پر دعوت غور وفکر دی جا رہی ہے۔

---

* چیئر مین شعبہ علوم اسلامیہ، یونیورسٹی آف سرگودھا، پاکستان

** اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ، لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی، لاہور، پاکستان

۱۔رسالت پر ایمان کا تقاضہ:

اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ایک ایمان بالرسول ﷺ ہے۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

فَآمِنُواْ بِاللّٰهِ وَرَسُولِه (۳)

پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسولؐ پر۔

ایک دوسرے مقام پر ارشاد خداوندی ہے:

وَالَّذِينَ آمَنُواْ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ وَلَمْ يُفَرِّقُواْ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ أُوْلَئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيهِمْ أُجُورَهُمْ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوراً رَّحِيمًا (۴)

اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کو مانیں اور ان کے درمیان تفریق نہ کریں ان کو وہ ضرور ان کے اجر عطا کرے گا اور اللہ بہت بخشش کرنے والا بہت رحم کرنے والا ہے۔

اس عقیدے کے انکار سے حقیقت ایمان میں فرق آتا ہے۔ انکار نبوت اور انکار فرامین نبوت میں کوئی خاص فرق نہیں۔ ایمان پیغمبر کے جسم اطہر پر نہیں لایا جاتا ارشادات پر ہی لایا جاتا ہے۔ آپ ﷺ کی ذات وجود کو تو کافر بھی مانتے تھے لیکن آپ ﷺ کی نبوت کے منکر تھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَإِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُونَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِينَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُونَ (۵)

بے شک یہ لوگ تمہیں نہیں جھٹلاتے بلکہ یہ ظالم دراصل اللہ کی آیات کا انکار کر رہے ہیں۔

پس اس عقیدے کی رو سے سنت وحدیث پر ایمان وعمل کے بغیر مسلمان ہونا ممکن نہیں گویا سنت وحدیث باعث مسلمانی ہے (۶)۔

۲۔ قرآن فہمی اور رسالت:

سنت کے بغیر صحابہ کا کئی مقامات پر فہم قرآن میں بے بس رہنا کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں جبکہ وہ اہل زبان اور آپ ﷺ کے شاگرد بھی تھے۔ اس کے برعکس قحط الرجال کے دور میں یہ عجمی اولاعلم حضرات اردو، عربی اور انگریزی ڈکشنریوں کی مدد سے فہم قرآن کے دعویدار بن بیٹھے ہیں۔

اس کے برعکس ہم دیکھتے ہیں کہ اہل زبان یعنی صحابہ کرام کئی ایک مقامات پر قرآنی الفاظ کو سمجھنے کیلئے رسول اللہؐ سے رہنمائی لیتے ہیں۔ مثلاً آیت مبارکہ:

اَلَّذِينَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ (۷)

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کے ساتھ کسی ظلم کو نہ ملایا تو انہیں کیلئے امن ہے اور

وہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں)

اس آیت کے بارے میں روایات میں ملتا ہے کہ جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تو صحابہ کرامؓ نے عرض کی کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں سے کون ایسا ہوگا جو اپنے نفس پر ظلم نہیں کرتا۔ تو اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہاں 'ظلم' سے مراد عام ظلم نہیں بلکہ 'شرک' مراد ہے۔(۸)

اسی طرح آیت مبارکہ:

وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ (۹)

اور تم کھاؤ پیو یہاں تک کہ سفید دھاری، سیاہ دھاری سے جدا ہو جائے فجر کے وقت۔

اس آیت کے بارے میں روایات میں ملتا ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد بعض صحابہ (حضرت عدی بن حاتمؓ) نے دو دھاگے، سفید و سیاہ اپنے ساتھ رکھ لیے اور اس وقت تک کھاتے پیتے رہتے تھے جب تک کہ ان دونوں دھاگوں میں ہر ایک کی سفیدی اور سیاہی واضح نہ ہو جاتی تھی۔ اس پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے متنبہ فرمایا کہ اس آیت میں سیاہ اور سفید دھاری سے مراد افق کی دھاریاں ہیں۔(۱۴)

اس دور میں بھی جن حضرات نے حدیث و سنت کو چھوڑ کر قرآن کو سمجھنے کی کوشش کی تو وہ گمراہ ہوئے مثلاً سرسید نے معجزات کا انکار کر دیا۔ سرسید کی تفسیر کی کتاب میں جا بجا دیکھا جا سکتا ہے۔ حضرت موسیٰؑ کے دریا سے گزرنے کو وہ معجزہ نہیں کہتے بلکہ دریا کا مدوجزر کہتے ہیں۔ ان کے خیال میں جب موسیٰؑ گزرے تو جزر تھا اور جب فرعون گزرا تو مد تھا۔ غلام احمد پرویز نے اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مرکز ملت یعنی حکمران کی اطاعت مراد لی ہے۔

۳۔ ہدایت کا ذریعہ صرف اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

رسول کی اطاعت واجب ہوتی ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ(۱۱)

ہم نے جو رسول بھی بھیجا ہے اسی لیے بھیجا ہے کہ اذن خداوندی کی بناء پر اس کی اطاعت کی جائے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت و حدیث کی اتباع میں مضمر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع یعنی سنت و حدیث کی پیروی کیے بغیر صرف قرآن کی اتباع سے نجات ممکن نہیں۔ کیونکہ قرآن کتاب ہدایت ہے اور قرآن نے یہ راہنمائی فرمائی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو اپنے لیے مثالی اسوۂ حسنہ بنا لو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل اتباع کرو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریع اور فرامین کے سامنے سر تسلیم خم کر لو یعنی سنت کے بغیر محض قرآن کی اتباع کا دعویٰ باطل ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُواْ أَطِيْعُواْ اللّٰهَ وَأَطِيْعُواْ الرَّسُولَ وَأُوْلِي الأَمْرِ مِنكُمْ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي

شَیْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللّهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلاً (۱۳)

اے ایمان والوں اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اور ارباب حکم واقتدار کی لیکن اگر ان سے کسی معاملے میں تم میں نزاع ہوجائے تو اسے اللہ اور رسول کے سپرد کرو اگر تم اللہ اور آخرت پر یقین رکھتے ہو یہ طریقہ انجام کار کے لحاظ سے بہتر ہے۔

قرآن مجید کی یہ آیت تین قسم کی اطاعتوں کا درس دیتی ہے۔ پہلی دو اطاعتیں مستقل ہیں جن میں تصادم کا امکان نہیں۔ اس لیے وہاں اس خطرے کا اظہار ہی نہیں فرمایا گیا۔ تیسری اطاعت غیر مستقل اور عارضی قسم کی ہے۔ وہ اس لیے کہ ارباب اقتدار کوئی ایسی حرکت کر گزریں جو اللہ کی مرضی رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کے منافی ہو۔ اس صورت میں ان کی اطاعت ختم ہوجائے گی۔ ارباب اقتدار کے مصالح کچھ ہی کیوں نہ ہوں ان کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ نزاع کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ اس لیے ان کی اطاعت عارضی ہے مستقل نہیں۔ اولی الامر سے مراد خلافت الٰہیہ ہو یا امارتِ شرعیہ یا مرکز ملت ان کی اطاعت عارضی ہوگی اور غیر مستقل۔ اس کے لیے یہ شرط ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں رہیں اور ان سے نزاع نہ کریں۔ آیت کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ قائد کا جو بھی نام رکھا جائے اس کی اطاعت اور وفاداری واجب ہے۔ بشرطیکہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا وفادار ہو۔ خود رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق(۱۳)

خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت نہیں کی جائیگی۔

آپ ﷺ کی اطاعت کے متعلق ارشاد ربانی ہے

اِنْ تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا (۱۴)

اگر آپ لوگ اس پیغمبر کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پا جاؤ گے۔

مولانا محمد صادق سیالکوٹی ''ضربِ حدیث'' میں لکھتے ہیں:

''چونکہ حضور انور ﷺ کی فرمانبرداری سے خدا کے حکموں کی تعمیل ہوتی ہے۔ اس لیے حضور ﷺ کی اطاعت فرض کردی ہے، تاکہ آپ ﷺ کی اطاعت سے اللہ کی مستقل اطاعت بجا لائی جاسکے اور یہ بات یاد رکھیں کہ حضور ﷺ کی فرمانبرداری کیے بغیر خدا کی اطاعت نہیں کی جاسکتی۔ اس لیے جو حضور ﷺ کی اطاعت کو ضروری نہیں جانتا وہ اطاعتِ الٰہی بھی نہیں کرسکتا۔ پس اطاعت رسول ﷺ کا منکر خدا کی اطاعت کا منکر ہے۔'' (۱۵)

۴۔ حدیث وسنت اور اسوۂ حسنہ:

رسول اللہ ﷺ کے قول وفعل، عادات واخلاق کی تمام شکلیں سنت وحدیث کے مستند ماخذوں کی شکل میں موجود ہیں۔

چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (۱۶)

البتہ تحقیق اللہ کے رسول ﷺ کی زندگی میں تمہارے لئے بہترین نمونہ ہے۔

آپ ﷺ کا اسوہ اس قدر کامل ہے کہ حیات انسانی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جس میں آپ ﷺ کا اسوہ نہ ملتا ہو اور جمیع نوع انسان کے لیے اسوۂ حسنہ کی اتباع و پیروی میں ہی نجات وفلاح ہے اور اس اتباع کے لیے ہم حدیث کے محتاج ہیں۔

سابقہ انبیاءؑ کی اقوام نے ان کی سنتوں کو بھلا دیا۔ ان کا اسوہ بھی محفوظ نہیں اور جو کچھ کتاب کی صورت میں باقی تھا اس میں بھی انہوں نے تحریف کر ڈالی۔ اب صورت یہ ہے کہ ان کے ہاں صرف نعرے اور اعلانات ہیں عملدرآمد نہیں مثلاً عیسائی کہتے ہیں کہ ہمیں دو اصولوں کی تعلیم دی گئی اور ہم دو ہی اصولوں کے علمبردار ہیں اور عیسائیوں کی کتابیں، عدل و انصاف اور انسانیت سے محبت کے درس سے بھری ہوئی ہیں لیکن یہ بات کہ محبت انسانیت سے کیا مراد ہے؟ اس پر عمل درآمد کیسے کیا جائے گا؟ عدل وانصاف کی تعریف کیا ہے؟ اس کے عملی تقاضے کیا ہیں؟ جب تک عملی تشکیل کر کے لوگوں کی رہنمائی نہ کی جائے گی کہ عدل کس کو کہتے ہیں؟ اس وقت تک عدل کا لفظ بے معنی ہے۔ ایک اور مثال سے یہ بات بالکل واضح ہو جائے گی انجیل میں ہے:

''اگر کوئی تمہارے دائیں گال پر تھپڑ مارے تو بایاں گال بھی سامنے کر دو''۔(۱۷)

سوال یہ ہے کہ اس اصول پر کہاں عمل درآمد کریں گے اور کہاں نہیں؟ جب تک یہ تفصیل سامنے نہ ہو یہ نعرہ محض ایک بے معنی بات ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کی سنت ان لوگوں نے محفوظ نہیں رکھی گم کر دی۔ لہٰذا ان کے پاس سوائے اس مبہم نعرے کے نہ صرف یہ کہ اسکی عملی تصویر موجود نہیں ہے بلکہ ان کی تاریخ عملاً اسی سے متضاد ہے۔

جبکہ دوسری طرف رسول اللہ ﷺ کی سنت میں وحی الٰہی کی ایک عملی شکل فراہم کی گئی ہے۔ ایک جیتا جاگتا عملی نمونہ ہمارے سامنے رکھ دیا گیا ہے جس میں وحی الٰہی کے ایک ایک حکم، ایک ایک لفظ اور ایک ایک حرف کی پوری نقشہ کشی کر دی گئی ہے کہ اس پر عمل درآمد ایسے ہوگا۔ اگر سنت کا یہ کارنامہ نہ ہوتا تو قرآن مجید کے یہ اصول صرف نظری بیانات اور خوشگوار اعلانات ہوتے۔ قرآن نے جو نظریہ پیش کیا رسول اللہ ﷺ نے عملی طور پر کر کے

دکھایا۔مثلاً قرآن کریم کا نظریہ ہے:

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءً بِمَا كَسَبَا نَكَالاً مِّنَ اللّٰهِ(۱۸)

اور چور خواہ مرد ہو یا عورت دونوں کے ہاتھ کاٹ دو یہ ان کی کمائی کا بدلہ ہے اور اللہ کی طرف سے عبرتناک سزا ہے۔

قرآن مجید کے اس حکم پر عمل کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فاطمہ بنت قیس پر چوری کی سزا جاری کردی بعض نے سفارش کی تو فرمایا:

والذی نفس محمد بیده لو سرقت فاطمه بنت محمد لقطعت یدها۔(۱۹)

اور قسم ہے اس ذات کی کہ جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے، اگر فاطمہ بنت محمد ﷺ نے بھی چوری کی ہوتی تو میں اس کا ہاتھ بھی لازمی کاٹ دیتا۔

اس طرح جب آیت مبارکہ:

يٰۤاَيُّهَاالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوااللّٰهَ وَذَرُوْا مَابَقِيَ مِنَ الرِّبٰو اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِه (۲۰)

اے اہل ایمان! اللہ سے ڈرو اور جو بھی سود باقی رہ گیا ہے، اسے چھوڑ دو اگر تم مومن ہو۔ پس اگر تم ایسا نہ کرو گے تو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ)۔

نازل ہوئی تو اللہ کے رسول ﷺ نے سب سے پہلے اپنے چچا حضرت عباسؓ کا سود معاف فرمایا۔(۲۱)

اس طرح اللہ کے رسول ﷺ کی سنت زندگی کے ہر شعبہ میں قابل تقلید اور قابل عمل نمونہ ہے۔

۵۔ انقلاب کا بہترین تاریخی ذخیرہ:

دنیا میں اسلام سے پہلے بھی تاریخ کا تصور موجود تھا۔ اسلام سے پہلے تاریخ کی بہت سی کتابیں موجود تھیں۔ ایسی بھی کئی کتابیں ملتی ہیں جن میں قوموں کی تاریخ بیان ہوئی ہے۔ یونانیوں، ہندوستانیوں اور رومیوں میں بھی موجود تھیں۔ ہیروڈوٹس اسلام سے پہلے کا مؤرخ ہے۔ اس کی بیان کی ہوئی معلومات آج بھی دستیاب ہیں۔ اس کی authenticity کتنی ہے؟ وہ خود کتنا مستند ہے؟ اسلام سے پہلے کی تاریخ اور تمدنی معلومات کا ایک ذخیرہ موجود ہے۔ ہندوؤں میں بھی اسلام سے پہلے کئی کتابیں موجود ہیں۔ جن میں کچھ تاریخی نوعیت کی معلومات بھی شامل ہیں لیکن وہ چیز جس کو اسلام سے پہلے تاریخ کہا جاتا تھا وہ کیا تھی؟ آج دنیا کا کوئی مؤرخ اسلام کے اس احسان کو مانتا ہے

یا نہیں مانتا۔ اگر مانتا ہے تو بلاشبہ وہ عدل و انصاف کی بات کرتا ہے اور اگر وہ نہیں مانتا تو بڑا احسان فراموش اور ناواقف ہے کہ دنیا کو اصل واقعہ جھوٹ کے بغیر نہیں کیا گیا خود اس کی زد ایسے لوگوں پر جاری ہے۔ تاریخ کا صحیح تصور اور تاریخ کا وہ صحیح شعور جس طریقے سے مسلمانوں کو حاصل ہوا۔ اس کا اوّلین مصدر و ماخذ حدیث و سنت ہے۔ اسلام سے پہلے تاریخ کا تصور یہ تھا کہ کسی قوم میں جو قصّے کہانیاں مشہور ہیں ان کو مدوّن کر لیا جائے اور جو رطب و یابس کہانیاں دستیاب ہیں ان کو حقیقت مان لیا جائے۔

اسی طرح حضرت جعفر بن ابی طالب نجاشی بادشاہ کے دربار میں جو نقشہ کھینچا عجب توحید کا پرتو ہے حضرت جعفرؓ نے فرمایا۔

أيّها الملك كنا قوما أهل جاهلية نعبد الأصنام ونأكل الميتة، ونأتي الفواحش، ونقطع الأرحام نسيى الجوار، ويأكل القويّ منّا الضعيف فكنا على ذلك حتى بعث الله الينا رسولا منّا، نعرف نسبه وصدقه وأمانته وعفافه، فدعانا الى الله لنوحده ونعبده ونخلع ما كنا نعبد نحن وآباؤنا من دونه من الحجارة والأوثان، وأمرنا بصدق الحديث، وأداء الأمانة، وصلة الرحم، وحسن الجوار۔۔۔۔۔۔ وأمرنا أن نعبد الله وحده لانشرك به شيئا، وأمرنا بالصلاة والزكاة والصيام الخ(۲۲)۔

اے بادشاہ: ہم جاہل قوم تھے بتوں کی پوجا کرتے تھے اور مردار کھاتے تھے۔ فحاشی کے کام کرتے تھے۔ ہم قطع رحمی کرتے تھے۔ ہمسائے کے ساتھ برا سلوک کرتے تھے۔ ہمارا قوی کمزور کو کھا جاتا، اسی دوران میں اللہ نے ہماری طرف ہم میں سے ایک رسول بھیجا جس کے نسب، سچائی، امانت اور عفت سے ہم خوب واقف تھے۔ اس نے ہمیں اللہ کی طرف دعوت دی تاکہ ہم اسے اکیلا سمجھیں۔ اس کی عبادت کرنے لگیں اور (اس کے مقابلہ میں) اس (جھوٹے معبود) کو چھوڑ دیں جس کی ہم اور ہمارے آباء عبادت کرتے تھے، بت اور پتھر وغیرہ کو۔ اور اس نے ہم کو سچی بات کہنے کا حکم دیا، امانت ادا کرنے، صلہ رحمی اور ہمسائے کے ساتھ اچھے سلوک کرنے کا حکم دیا نیز ہمیں حکم دیا کہ ہم ایک اللہ کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ اس نے ہمیں نماز، زکوٰۃ اور روزہ رکھنے کا (بھی) حکم دیا)۔

سیاسی انقلاب نے بادشاہت کے تصور کو مٹادیا، نا انصافی کا خاتمہ کر دیا۔ قانون کی حکمرانی کو رواج دیا

لوگوں کو جس آزادی کی ضرورت تھی عنایت فرمائی۔شہریوں کو جن حقوق کی ضرورت تھی عنایت فرمائے۔معاشرتی لحاظ سے اخوت نے مساوات کی عجیب مثال قائم کی۔اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللّٰہِ اَتْقٰکُمْ(۲۳)اسلامی اخوت پیدا کی، اخلاقی لحاظ سے بلندی عطا فرمائی۔

اس انقلاب کی جھلک ڈاکٹر ماجد علی خان نے ''Muhammad The Final Messanger'' یوں کھینچی ہے:

Thus the Prophet of Islam made a clean sweep of the existing order of things, as a result of his painstaking efforts, the thinking of men changed, the love of God was kindled in their hearts, quest for eternal truth became the general endeavour, and a new key-note was struck... This Complete revolution, this Dawn of new era is a Miracle worked by teh Prophet Muhammad (Peace be upon him).(24)

۶۔ عہد نبوی ﷺ کی تمدنی تصویر:

مسلم معاشرے پر سنت نبوی ﷺ کا بڑا گہرا اثر مرتب ہوا۔مثلاً باہمی سلام کی عادت، چھوٹوں پر شفقت، بڑوں کا احترام، جسم، لباس، گھر بار بلکہ بازار تک صفائی وغیرہ کا مسلسل اہتمام آپ ﷺ کی تعلیمات کی بنا پر رواج پذیر ہوا مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کو عام کرنے کا حکم دیا اور ہر جان پہچان والے اور اجنبی کو بھی سلام کہنے کا حکم دیا۔(۲۵)

اسی طرح آپ ﷺ نے لباس کے بارے تفصیلی ہدایات جاری فرمائی ہیں۔آپ ﷺ نے سفید لباس پہننے کو ترغیب دی اور اس میں مردوں کو دفنانے کا حکم دیا۔(۲۶)

آپ ﷺ نے مسلمانوں کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا۔

ألمسلم أخو المسلم لا يسلمه ولا يظلمه(۲۷)

مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ اس کو چھوڑ سکتا ہے اور نہ ہی اس پر ظلم کر سکتا ہے۔

ہمدردی کے لحاظ سے فرمایا:

من كان فى حاجة اخيه كان الله فى حاجته(۲۸)

جو اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرے گا اللہ اس کی ضرورت پوری کرے گا۔

یہ عملی تصویر مدینہ منورہ میں صحابہ کرامؓ میں پائی جاتی تھی۔وہ ایک دوسرے کو جان سے بھی عزیز سمجھتے تھے۔قرآن نے ان کی تصویر یوں کھینچی ہے۔

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ

الْمُفْلِحُوْنَ(۲۹)

وہ خود اپنے اوپر انہیں ترجیح دیتے ہیں گو خود کو کتنی ہی سخت حاجت ہو (بات یہ ہے) کہ جو بھی اپنے نفس کے بخل سے بچایا گیا وہی کامیاب (اور بامراد) ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین اور قرآن مجید کی آیات کے مطابق صحابہ کرامؓ عمل کرتے تھے۔

حضرت خدیجہؓ نے فرمایا:

كلا والله ما يخزيك الله أبدا۔ انك لتصل الرحم وتحمل الكل وتكسب المعدوم و تقرئ الضيف وتعين على نوائب الحق(۳۰)

ہرگز نہیں، اللہ کی قسم! اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رسوا نہیں کرے گا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رشتہ داروں کے تعلقات جوڑتے ہیں۔ ناتواں کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔ جو چیز دوسروں کے پاس نہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں کما کر دیتے ہیں۔ مہمانوں کی مہمان نوازی کرتے ہیں۔ حادثات کے شکار لوگوں کے حقوق دلانے میں مدد کرتے ہیں۔

عورتوں کو ان کا مقام دیا۔ کہاں یہ منظر تھا۔

وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ۔ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ(۳۱)

ان میں سے جب کسی کو لڑکی ہونے کی خبر دی جائے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور دل ہی دل میں گھٹنے لگتا ہے۔ اس بری خبر کی وجہ سے لوگوں سے چھپا چھپا پھرتا ہے۔ سوچتا ہے کہ کیا اس کو ذلت کے ساتھ لئے ہوئے ہی رہے یا اسے مٹی میں دبا دے، آہ! کیا ہی برے فیصلے کرتے ہیں؟

قرآن نے ان کے متعلق فرمایا:

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا(۳۲)

جو ایمان والا ہو مرد ہو یا عورت اور وہ نیک اعمال کرے، یقیناً ایسے لوگ جنت میں جائیں گے اور کھجور کی گٹھلی کے شگاف برابر بھی ان کا حق نہ مارا جائے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا معاشرہ دیا جس میں خیر کے پہلو غالب تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خانہ سے حسن سلوک کرنے کے متعلق فرمایا:

خيركم خيركم لأهله وأنا خيركم لأهلي(۳۳)

آپ میں سے بہتر وہ ہے جو اپنے اہل کے لیے بہتر ہے اور میں اپنے اہل کے لیے آپ سے زیادہ بہتر ہوں۔

اور فرمایا:

حبّب الی من الدنیا، النساء والطیب وجعلت قرة عینی فی الصلوٰة(٣٤)

دنیا سے مجھے عورتوں، خوشبو سے محبت اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز ہے۔

اخلاق وعادات کے ساتھ ساتھ زبان وادب بلکہ علوم وفنون اور طرز تعمیر تک بدل گئے۔عہد نبوی ﷺ کے اجتماعی حالات اور تمدن وثقافت کی اولین تصویر کتب حدیث کے اندر ہی محفوظ ہیں۔اولین اسلامی تہذیب وتمدن کا مطالعہ کرنے والے سنت وحدیث کو نظر انداز کر کے کبھی بھی اس تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے۔گویا عصر حاضر میں اپنے تمدن و ثقافت کی اصلاح کی خاطر راہنمائی کے لیے سنت وحدیث کی طرف مراجعت لازمی ٹھہرتی ہے۔

۷۔ امت کی وحدت صرف اتباع سنت ہی سے ممکن ہے:

دنیا بھر کے مسلمانوں کو وحدت کی لڑی میں پرونے کے لیے سب کے پاس ایک ہی عملی نمونہ ہے اور وہ آپ ﷺ کا اسوۂ حسنہ ہے۔جس کی بدولت دنیا کے ہر گوشے میں پھیلے ہوئے مسلمان صدیوں کو محیط تاریخی ادوار سے گزرنے کے باوجود عقائد، طرز فکر، اخلاق واقدار میں اختلاف کی نسبت ہم آہنگی اور یک رنگی عنصر زیادہ رکھتے ہیں۔ یکسانیت و وحدت امت مسلمہ میں سنت وحدیث نبوی ﷺ بہت زیادہ اہمیت وضرورت کی حامل نظر آتی ہے۔تمام مسلمان دائیں ہاتھ کھانا کھاتے ہیں آپس میں ایک دوسرے کو سلام کرتے ہیں، ہمسایوں سے ہمدردی کرتے ہیں، ظلم کو برا سمجھتے ہیں۔آپس میں پیار کرتے ہیں۔توحید کے قائل ہیں۔سبھی نمازیں پڑھتے ہیں۔زکوٰۃ دیتے ہیں حج کرتے ہیں۔قربانیاں کرتے ہیں عیدین پڑھتے ہیں زکاۃ فطرادا کرتے ہیں۔جس طرح رسول اللہ ﷺ نے کیا۔

۸۔ سنت اور تکمیل دین:

قرآن مجید اسلام کے دین کامل ہونے کا اعلان کرتا ہے۔قرآن مجید میں ہے:

اَلۡیَوۡمَ أَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ(٣٥)

آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا۔

اس کامل دین کے اساسی اصول اور تعلیمات واحکامات تو قرآن پیش کرتا ہے لیکن نماز جیسے اہم بنیادی فرض کی تفصیلات مہیا نہیں کرتا اس لیے منکرین حدیث مسلسل مضحکہ خیز نماز سازی میں مصروف ہیں۔ یہ قرآنی دعویٰ اکملیت اسلام سنت نبوی ﷺ کے ساتھ ہی پورا ہوتا ہے۔خلاصہ یہ کہ سنت نبوی ﷺ منجانب اللہ ہونے کے ناطے

دین میں حجت اور واجب التعمیل ہے۔ سنت نبویﷺ کے دین میں حجت و ماخذ صحیح ہونے کیلئے قرآن فہمی کے لیے معاون اور وحدت امت مسلمہ کا ذریعہ ہونے کے باعث اس کی حفاظت بھی قرآن کی طرح ضروری ہے۔

سنت کا تشریعی مفہوم:

قرآن کریم میں لفظ سنت کا استعمال طریقہ کے معنی میں ہوا ہے امام راغب اصفہانی کہتے ہیں: سنت: طریقہ کو کہتے ہیں جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

سُنَّۃَ اللّٰہِ الَّتِیۡ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلُ وَلَنۡ تَجِدَ لِسُنَّۃِ اللّٰہِ تَبۡدِیۡلًا (۳۶)

اللہ تعالیٰ نے یہی طریقہ (دستور) رکھا ہے جو پہلے سے چلا آرہا ہے اور آپ اللہ کے دستور (طریقہ) میں کوئی ردوبدل نہیں پائیں گے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَلَنۡ تَجِدَ لِسُنَّۃِ اللّٰہِ تَحۡوِیۡلًا (۳۷)

اور نہ آپ اللہ کے دستور کو (سنت) پھرتا ہوا (منتقل ہوتا ہوا) دیکھیں گے۔

ماہرین حدیث نے سنت کی درج ذیل تعریف بیان کی ہے:

''رسالت مآب نبی کریمﷺ کا کوئی قول، فعل یا تقریر سنت کہلاتی ہے''(۳۸)

''تقریر'' محدثین کی ایک اصطلاح ہے اور اس کی تعریف میں اس سے مراد یہ ہے کہ کسی شخص نے کوئی بات کہی یا کسی خاص فعل کو اختیار کیا اور اس کا یہ قول یا فعل رسول اللہﷺ کے علم میں آیا تو آپﷺ نے واضح الفاظ اس کی توثیق فرمائی یا ناپسندیدگی کا اظہار فرمائے بغیر سکوت اختیار فرمایا۔ یہ سکوت رسول اللہﷺ کی جانب سے ایک معنوی رضامندی ہے اس لیے یہ بھی سنت کی اصطلاح میں داخل ہے۔(۳۹)

چونکہ سنت کی تینوں جہتیں (قول، فعل، تقریر) رسول اللہؐ کی ذات اقدس سے متعلق ہیں اس لیے اسلامی قانون میں سنت کا صحیح مقام اور مرتبے کا تعین خود نبی کریمﷺ کی ذات مبارک کے مقام کو سمجھے بغیر ممکن نہیں ہے۔

رسول اللہﷺ کے بحیثیت شارع ہونے پر قرآن سے دلائل:

سورۃ اعراف میں اللہ تعالیٰ نبی کریمﷺ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے:

یَاۡمُرُھُمۡ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَیَنۡھٰھُمۡ عَنِ الۡمُنۡکَرِ وَیُحِلُّ لَھُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیۡھِمُ الۡخَبٰٓئِثَ وَیَضَعُ عَنۡھُمۡ اِصۡرَھُمۡ وَالۡاَغۡلٰلَ الَّتِیۡ کَانَتۡ عَلَیۡھِمۡ (۴۰)

وہ ان کو معروف کا حکم دیتا ہے اور منکر سے روکتا ہے اور ان کے لئے پاک چیزوں کو حلال قرار دیتا

ہے اور خبیث چیزوں کو حرام قرار دیتا ہے اور ان پر سے وہ بوجھ اور بندھن اتار دیتا ہے جو ان پر چڑھے ہوئے تھے۔

اس آیت کے الفاظ اس امر میں بالکل صریح ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو تشریعی اختیارات (Legislative Powers) عطا کیے ہیں۔ اللہ کی طرف سے امر و نہی اور تحلیل و تحریم صرف وہی نہیں ہے جو قرآن کریم میں بیان ہوئی ہے بلکہ جو کچھ نبی ﷺ نے حرام یا حلال قرار دیا ہے اور جس چیز کا رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے اس لیے وہ بھی قانون خداوندی کا ایک حصہ ہے یہی بات سورہ حشر میں اسی صراحت کے ساتھ ارشاد ہوئی ہے:

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ (۴۱)

جو کچھ رسول ﷺ تمہیں دے اسے لے لو اور جس سے منع کر دے اس سے رک جاؤ اور اللہ سے ڈرو اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔

ان دونوں آیتوں میں سے کسی کی یہ تاویل نہیں کی جاسکتی کہ ان میں قرآن کے اوامر و نواہی اور قرآن کی تحلیل و تحریم کا ذکر ہے۔ یہ تاویل نہیں بلکہ اللہ کے کلام میں ترمیم ہوگی۔ اللہ نے تو یہاں امر و نہی اور تحلیل و تحریم کو رسول ﷺ کا فعل قرار دیا ہے نہ کہ قرآن کا۔ پھر کیا کوئی شخص اللہ سے یہ کہنا چاہتا ہے کہ آپ سے بیان میں غلطی ہوگئی آپ بھولے سے قرآن کے بجائے رسول کا نام لے گئے۔

ایک جگہ ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ أَطِيعُواْ اللّهَ وَأَطِيعُواْ الرَّسُولَ وَأُوْلِي الأَمْرِ مِنكُمْ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللّهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلاً (۴۲)

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول ﷺ اور ارباب حکم و اقتدار کی لیکن اگر ان سے کسی معاملہ میں نزاع ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کے سپرد کرو اگر تم اللہ اور آخرت پر یقین رکھتے ہو یہ طریق انجام کار کے لحاظ سے بہتر ہے۔

اس مقام میں قرآن عزیز میں تین اطاعتوں کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ پہلی دو اطاعتیں مستقل ہیں جن میں تصادم اور نزاع کا امکان ہی نہیں۔ اس لیے وہاں اس خطرے کا اظہار ہی نہیں فرمایا گیا۔ تیسری اطاعت غیر مستقل اور عارضی قسم کی ہے۔ امراء اور ارباب اقتدار ممکن ہے کوئی ایسی حرکت کر گزریں جو اللہ کی مرضی اور رسول اللہ ﷺ

کے ارشادات کے منافی ہو اس صورت میں ان کی اطاعت ختم ہو جائے گی ارباب اقتدار کے مصالح کچھ ہی کیوں نہ ہو ان کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ نزاع کی اجازت نہیں دی جا سکتی اس لیے ان کی اطاعت عارضی ہے مستقل نہیں۔ اُولِی الْاَمْر سے مراد خلافت الٰہیہ ہو یا امارت شرعیہ یا مرکز ملت ان کی اطاعت عارضی ہو گی اور غیر مستقل اس کے لیے یہ شرط ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں رہیں اور ان سے نزاع نہ کریں یہ شرط ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں رہیں اور ان سے نزاع نہ کریں۔ آیت کا منشاء یہ معلوم ہوتا ہے کہ سربراہ اور قائد کا جو بھی نام رکھا جائے اس کی اطاعت اور وفاداری واجب ہے بشرطیکہ وہ خدا اور اس کے رسول ﷺ کو وفادار ہو۔ ارشاد الٰہی ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْراً (۴۳)

یقیناً تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے جو شخص اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور بکثرت اللہ کو یاد کرتا ہے۔

یہ آیت سورہ احزاب میں ہے اس کے بعد متبنیٰ کی بیوی سے نکاح کے متعلق رسول اللہ ﷺ کے متعلق فیصلہ ہے پھر امہات المؤمنینؓ کو ہدایات اور ان کے حقوق پھر جنگ میں رسول اللہ ﷺ کے احکام کی اقتداء یہ تمام چیزیں اسوہ میں شامل ہیں۔ اس آیت نے دینی اور دنیوی تمام امور میں رسول اللہ ﷺ کو اسوۂ قرار دیا ہے اور اسے ایمان باللہ اور ایمان بالاخرت کے لیے اساس قرار دیا ہے۔

اللہ کی کتاب میں سنت رسول ﷺ کی حجیت کے بہت سے دلائل بیان ہوئے ہیں۔ اللہ کی کتاب، سنت رسول ﷺ کو ایک اساسی مصدر شریعت (Primary source of Islamic Law) کے طور پر متعارف کرواتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (۴۴)

جو رسول ﷺ کی اطاعت کرتا ہے وہ درحقیقت اللہ ہی کی اطاعت کرتا ہے۔

پس رسول ﷺ کی اطاعت کو من جملہ اللہ ہی کی اطاعت میں شمار کیا گیا ہے لہذا سنت پر عمل درحقیقت کتاب اللہ پر عمل کا دوسرا نام ہے۔ اسی طرح ایک اور آیت مبارکہ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کو لازم قرار دیا گیا ہے۔

قابل غور نکتہ یہ ہے کہ اس آیت مبارکہ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کو غیر مشروط بیان کیا گیا

ہے جبکہ حکمران اور امیر کی اطاعت کو مشروط کیا گیا ہے۔ دوسرا اہم نکتہ اس آیت مبارکہ میں یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کے باہمی اختلاف کی صورت میں اختلاف رفع کرنے کے لیے جن دو مصادر کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا گیا ہے وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہیں یعنی کتاب اور سنت رسول ﷺ۔ اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْهُ فَانْتَھُوْا (۴۵)

اور جو اللہ کے رسول ﷺ تمہیں دیں، وہ لے لو اور جس سے منع کریں، اس سے رک جاؤ۔

اس آیت کے مطابق اللہ کے رسول ﷺ کے ہر فرمان کو لینا واجب ہے۔ اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد ہے:

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌرَّحِیْمٌ (۴۶)

اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو۔ اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف کردے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اس آیت کے مطابق اللہ کے محبوب بننے کی شرط لازم اللہ کے رسول ﷺ کے اقوال و افعال کی اتباع ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کی سنت کی اتباع اس لیے بھی لازم ہے کہ آپ ﷺ کی سنت ایک مسلمان کے لیے زندگی گزارنے کا ایک بہترین نمونہ یا ماڈل قرار دیا گیا ہے۔

آپ ﷺ کی سنت کی اتباع اس لیے بھی لازم ہے کہ آپ ﷺ کی اطاعت ہدایت کا باعث ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاِنْ تُطِیْعُوْهُ تَھْتَدُوْا (۴۷)

اور اگر تم اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پا جاؤ گے۔

اسی طرح کتاب اللہ میں مسلمانوں کے باہمی اختلافات میں اللہ کے رسول ﷺ کے فرامین مبارک کو حجت نہ ماننے والوں کے ایمان کی نفی کی گئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَاشَجَرَ بَیْنَھُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْ اَنْفُسِھِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا (۴۸)

پس آپ کے رب کی قسم کہ یہ اس وقت تک مومن نہین ہو سکتے جب تک کہ آپ کو اپنے جھگڑوں میں منصف نہ مان لیں۔ اور پھر آپ کے فیصلے پر اپنے دلوں میں کوئی تنگی بھی محسوس نہ کریں اور اسے ہر طرح سے تسلیم کرلیں۔

اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد ہے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا (۴۹)

اور کسی مومن مرد یا مومن عورت کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کے رسول ﷺ اس کے بارے میں کوئی فیصلہ فرما دیں تو اس کے پاس اپنے معاملے میں کوئی اختیار باقی رہے۔ اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرے گا تو وہ تو صریح گمراہی میں مبتلا ہو گیا ہے۔

حضور ﷺ کے تشریعی کام کی حیثیت:

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں مجمل احکام اور ہدایات دے کر یا کچھ اصول بیان کر کے یا اپنی پسند و ناپسند کا اظہار کر کے یہ کام اپنے رسول ﷺ کے سپرد کیا کہ وہ پسند ناپسند کا اظہار کر کے نہ صرف لفظی طور پر اس قانون کی تفصیلی شکل مرتب کریں بلکہ اس کے مطابق کام کر کے بھی دکھائیں۔ یہ تفویض اختیارات کا فرمان خود قرآن مجید میں موجود ہے:

وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ (۵۰)

اور ہم نے آپ ﷺ کی طرف یہ ذکر نازل کیا ہے تا کہ آپ ﷺ لوگوں کے سامنے اس (تعلیم) کی تشریح و توضیح کرتے جاؤ جو ان کی طرف اتاری گئی ہے اور تا کہ وہ (خود بھی) غور و فکر کریں۔

اس صریح فرمان کی تفویض کے بعد آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ رسول اللہ ﷺ کا قولی اور عملی بیان، قرآن کے قانون سے الگ کوئی چیز ہے یہ درحقیقت قرآن ہی کی رو سے اس کے قانون کا ایک حصہ ہے اس کو چیلنج کرنے کے معنی خود قرآن کو اور خدا کے پروانہ تفویض کو چیلنج کرنے کے ہیں۔

اسی طرح قرآن مجید میں ہے:

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا (۵۱)

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر جو اس کی طرف راہ پا سکتے ہوں اس گھر کا حج فرض کر دیا ہے۔

لیکن استطاعت سے کیا مراد ہے؟ اللہ کے رسول ﷺ نے اس کی شرح کرتے ہوئے اس سے مراد سواری اور زاد راہ لیا ہے۔ (۵۲)

اسی طرح قرآن مجید نے مردار کو حرام قرار دیا ہے۔

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ (۵۳)

(تم پر مردہ اور (بہاہوا) خون اور سور کا گوشت اور ہر وہ چیز جس پر اللہ کے سوا دوسروں کا نام پکارا گیا ہوحرام ہے)۔

جبکہ اللہ کے رسول ﷺ نے اس کی وضاحت میں یہ بیان فرمایا ہے کہ سمندر کا مردار حرام نہیں ہے اور وہ اس سے مستثنیٰ ہے۔(۵۴)۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: أُحلت لنا میتتان ودمان (ہمارے لئے دومُردے اور دو خون حلال قرار دئے گئے ہیں)(۵۵) دومُردے مکڑی اور مچھلی اور دوخون جگر اور کلیجی۔(۵۶) اسی طرح قرآن مجید نے زکوٰۃ کوفرض قرار دیا لیکن کس کس مال میں سے کس قدر زکوٰۃ ادا کرنی ہے، اس کی وضاحت اللہ کے رسول ﷺ نے فرمائی ہے۔(کتب حدیث میں کتاب الزکاۃ میں پوری تفصیلات ہیں)۔

اس طرح کے کئی معاملات جن سے شفعہ مثلا وراثت کے احکام، درندوں کی حرمت اور گھریلو گدھوں کی حرمت، اسی طرح رضاعی رشتوں کی حرمت وغیرہ شامل ہیں جن کی وضاحت صرف فرامین نبوی میں ہی ملتی ہے۔ قرآن مجید اس بارے میں خاموش ہے۔

حدیث نبوی ﷺ کا تشریعی مقام اور خلفاء راشدین

حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حدیث نبوی ﷺ کا تشریعی مقام:

حضرت ابوبکر صدیقؓ رسول اللہ ﷺ کی ذات اور آپ ﷺ کے اعمال پر جان نثار کرتے تھے۔حدیث رسول ﷺ کے معاملے میں احتیاط سے کام لیتے تھے۔

۱۔ ایک عورت اپنے پوتے کی میراث میں سے حصہ لینے آئی، حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا:۔"نہ کتاب اللہ میں تمھارا کوئی حصہ مقرر ہے اور نہ میرے علم کے مطابق سنت نبی ﷺ میں تمھارا کوئی حصہ مقرر ہے۔"اس کے بعد فرمایا:۔تم پھردوبارہ آنا"میں لوگوں سے پوچھوں گا"پس انہوں نے لوگوں سے دریافت کیا۔حضرت مغیرہؓ اور حضرت محمد بن مسلمہؓ نے کہا کہ رسول ﷺ نے دادی کو چھٹا حصہ دیا تھا یہ حدیث سننے کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے اس کو چھٹا حصہ دے دیا۔(۵۷)

۲۔ اس طرح حضرت فاطمۃ الزہراءؓ کے وراثت کے مطالبہ پر رسول اللہ ﷺ کی حدیث سنائی۔نحن معاشر الأنبياء ما تركناه صدقة(۵۸)(ہم نبیوں کا گروہ جو چھوڑ دیں وہ صدقہ ہے)اس فرمان نبوی ﷺ کوسن کر حضرت فاطمہؓ نے دوبارہ کبھی مطالبہ نہ کیا۔

۳۔ اس طرح خلافت کے وقت جھگڑا ہوا تو انہوں نے حدیث سنائی۔ألائمة من قريش(۵۹)(خلیفہ قریش میں سے ہوگا)۔اس پر تمام صحابہؓ آپؓ کی بات کے قائل ہوگئے۔

اسی طرح دیگر معاملات میں ہوتا تھا۔ حضرت علیؓ نے انؓ سے حدیث سنی تو فرمایا۔حدثنی أبو بکر و صدق أبوبکر (۶۰) (مجھے ابوبکرؓ نے بیان کیا اور اس نے سچ کہا)۔

۴۔حافظ ابن قیم نے سنت اور حدیث کے بارے میں حضرت ابوبکر ؓ کا طرزِ عمل اس طرح نقل کیا ہے:

کان أبوبکرؓ اذا ورد علیه حکمٌ نظر فی کتاب اللّٰه تعالیٰ فان وجد فیه ما یقضی به قضی به وان لّم یجد فی کتاب اللّٰه نظر فی سنّة رسول اللّٰهﷺ فان وجد فیها ما یقضی به قضی به فان اعیاه ذلك سأل النّاس هل علمتم أنّ رسول اللّٰهﷺ قضی فیه بقضاءٍ فربّما قام الیه القوم فیقولون قضی فیه بکذا و کذا (٦١)۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سامنے جب کوئی مسئلہ پیش آتا تو پہلے وہ کتاب اللہ میں اس کا حل تلاش کرتے اگر وہاں نہ پاتے تو پھر رسول اللہ ﷺ کی سنت کی طرف رجوع فرماتے، اگر اس موقع پر بھی ناکام رہتے تو پھر لوگوں سے دریافت کرتے کہ کیا اس معاملہ میں رسول اللہ ﷺ کا کسی کو علم ہے؟ بارہا ایسا ہوا ہے کہ اس طرح سوال کرنے پر لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے فیصلے کی اطلاع آپ کو دی ہے۔

تاریخ الخلفاء میں مزید الفاظ ملتے ہیں کہ آپؓ اس قسم کے مواقع پر لوگوں سے رسول اللہ ﷺ کی حدیث سن کر خوشی سے یہ فرماتے۔ألحمد للّٰه الّذی جعل فینا من یحفظ عن نبیّنا(۶۲) (اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ہم میں سے ایسے لوگوں کو باقی رکھا ہے جس کے سینوں میں ہمارے نبی ﷺ کی سنت محفوظ ہے)۔

۵۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جب ان کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو ایک تحریر لکھوا دی جن میں یہ درج تھا بسم الله الرحمٰن الرحیم ۔یہ زکوٰۃ کے فرائض ہیں جن کو رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں پر فرض کیا ہے اور انہی کا اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو حکم دیا ہے۔(۶۳) راوی حدیث حضرت حماد بن سلمہ کہتے ہیں میں نے صحیفہ حضرت انسؓ کے پوتے ثمامہ سے حاصل کیا۔(۶۴)۔

۶۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے دورِ خلافت میں منکرین زکوٰۃ کے انکار پر ارشاد فرمایا:

والله لومنعونی عقالا کانو ا یئودونها الی الرسول الله ﷺ لقاتلتهم علی منعه(٦٥)

اللہ کی قسم میں اس سے جنگ کروں گا جس نے اونٹ کا گھٹنہ بند روک لیا جو رسول اللہ ﷺ کو ادا کرتے تھے۔

مانعین زکوۃ سے جب حضرت ابوبکرؓ نے قتال کا ارادہ فرمایا تو حضرت عمرؓ ہی تھے جنہوں نے اس کی مخالفت

کی اور حجت میں حدیث پیش کی، حضرت عمرؓ نے فرمایا، آپؓ کیسے ان سے لڑ سکتے ہیں حالانکہ رسول ﷺ نے فرمایا:

"مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے لڑوں، جب تک کہ وہ لا الہ الا اللہ نہ کہیں، پس جس نے لا الہ الا اللہ کہہ لیا تو اس نے مجھ سے اپنے مال اور اپنی جان کو بچالیا مگر اس کے حق کے ساتھ اور اسکا حساب اللہ پر ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے اسی حدیث کے آخری حصّہ "الا بحقه" سے استدلال کیا اور فرمایا: بے شک زکوۃ مال کا حق ہے۔"(٦٦)

۷۔ خلیفہ ہونے کے بعد حضرت ابوبکرؓ کا اولین اعلان یہ تھا کہ أطیعونی ما أطعت الله ورسوله فان عصیت الله ورسوله فلا طاعة لی علیکم(٦٧)(''میری اطاعت کرو جب تک میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتا رہوں۔ لیکن اگر میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کروں تو تم پر میری کوئی اطاعت نہیں ہے)۔''

۸۔ انہوں نے حضور ﷺ کی وفات کے بعد جیشِ اسامہؓ کو صرف اس لیے بھیجنے پر اصرار کیا کہ جس کام کا فیصلہ حضور ﷺ اپنی زندگی میں کر چکے تھے، اسے بدل دینے کا وہ اپنے آپ کو مجاز نہ سمجھتے تھے۔ صحابہ کرامؓ نے جب ان خطرات کی طرف توجہ دلائی جن کا طوفان عرب میں اٹھتا نظر آرہا تھا اور اس حالت میں شام کی طرف فوج بھیج دینے کو نامناسب قرار دیا، تو حضرت ابوبکرؓ کا جواب یہ تھا کہ:

لو خطفتنی الکلاب والذئاب لم أرد قضیءً امر به رسول الله(٦٨)

اگر کتے اور بھیڑیئے بھی مجھے اچک لے جائیں تو میں اس فیصلہ کو نہ بدلوں گا جو رسول اللہ ﷺ نے کردیا تھا۔''

حضرت عمرؓ نے خواہش ظاہر کی کہ کم ازکم اسامہؓ ہی کو اس لشکر کی قیادت سے ہٹادیں کیوں کہ بڑے بڑے صحابہ اس نوجوان لڑکے کی ماتحتی میں رہنے سے خوش نہیں ہیں۔ تو حضرت ابوبکرؓ نے ان کی ڈاڑھی پکڑ کر فرمایا:

ثکلتك امك وعد متك یا ابن الخطاب، استعمله رسول الله ﷺ وتامرنی ان أنزعه۔

''خطاب کے بیٹے، تیری ماں تجھے روئے اور تجھے کھودے، رسول اللہ ﷺ نے اس کو مقرر کیا اور تو مجھ سے کہتا ہے کہ میں اسے ہٹادوں۔''

اس موقع پر لشکر کو روانہ کرتے ہوئے جو تقریر انہوں نے کی اس میں فرمایا:

انما انا متبع لست بمبتدع(٦٩)

میں تو پیروی کرنے والا ہوں۔ نیا راستہ نکالنے والا نہیں ہوں۔

حضرت عمر فاروقؓ اور حدیث نبوی ﷺ کا تشریعی مقام:

حضرت عمرؓ نے بھی حدیث کے معاملہ میں بعینہ وہی طرزِ عمل اختیار کیا جو مذکورہ بالا واقعہ میں حضرت ابوبکرؓ کے بارے میں بیان کیا گیا ہے، مختصر طور پر چند نظائر یہاں پیش کئے جاتے ہیں:

۱۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا:

سیأتی قوم یجادلونکم بشبھات القرآن فخذوھم بالسّنن فانّ اصحاب السّنن اعلم بکتاب اللّٰہ۔(۷۰)

آئندہ ایسے لوگ (وجود میں) آئیں گے جو قرآنی آیات کے بارے میں شبہات پیدا کر کے تم سے بحث ومجادلہ کریں گے، ایسے لوگوں پر تم سنن (احادیث) کے ذریعے گرفت کرو، اس لیے کہ سنن والے اللہ کی کتاب کا زیادہ علم رکھتے ہیں۔

یعنی قرآن مجید کا صحیح فہم، سنت و حدیث کے علم پر موقوف ہے، ورنہ انسان شبہات کی وادی میں بھٹکتا پھرے گا۔

۲۔ ایک بار حضرت عمرؓ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

انّی لم ابعث عمّالی الیکم لیضربوا ابناء کم ولا لیا خذوا اموالکم لکن انما بعثتھم لیبلغوکم دینکم وسنة نبیکم(۷۱)

میں اپنے عمّال (گورنر) تمہارے پاس اس لیے نہیں بھیجتا ہوں کہ وہ تمہارے بیٹوں کو ماریں اورتمہارے مال مویشی تم سے زبردستی چھین لیں بلکہ میں تو ان کو اس لیے بھیجتا ہوں کہ تمہیں، تمہارا دین اور تمہارے نبیؐ کی سنت سکھلائیں۔

۳۔ حضرت عمرؓ ایک مرتبہ ملک شام جانے کے ارادے سے نکلے جب آپ مقام سرغ پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ شام میں طاعون پھیلا ہوا ہے۔ مزید سفر جاری رکھنے کے بارے میں صحابہ کرامؓ کے درمیان اختلاف ہو گیا۔ کافی بحث و گفتگو کے باوجود کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ اس موقع پر حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ نے یہ حدیث پیش کی کہ ”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جہاں وبا پھوٹ پڑی ہو اس جگہ جانا نہیں چاہیئے“۔ اس حدیث کو سن کر صحابہ کا اختلاف دور ہو گیا اور حضرت عمرؓ لشکر کے ساتھ مدینہ واپس تشریف لے آئے۔(۷۲)

۴۔ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

ایّھا النّاس قد سنّت لکم السّنن وفرضت لکم الفرائض وترکتم علی الواضحة الاّ ان

تضلّوا بالنّاس يميناً وّشمالا(۷۳)

لوگو! تمہارے لیے سنت مقرر کی گئی ہے۔فرائض واحکام مقرر کردیئے گئے ہیں۔تمہارے لیے روشن راستہ بنا دیا گیا ہے۔الّا یہ کہ تم لوگوں کی وجہ سے دائیں بائیں بھٹک جاؤ۔

۵۔ ایک مرتبہ خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

ايّاكم أن تهلكوا عن آية الرّجم- أن يقول قائل: لا نجد حدّين فى كتاب اللّٰه- فقد رجم رسول اللّٰه ﷺ ورجمنا (۷٤)

''سنو! رجم کا حکم جھٹلا کر خدا کے عذاب کا نشانہ نہ بنو کسی کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ یہ کہے کہ ہم اللہ کی کتاب میں دو حدوں کا ذکر نہیں پاتے۔رسول اللہؐ نے رجم کیا(یعنی زانی کو سنگسار کیا) اور ہم بھی رجم کرتے ہیں''۔

۶۔ حضرت عمرؓ اپنے مسلک کے بارے میں قاضی شریحؒ کے نام اپنے خط میں اس طرح بیان فرماتے ہیں:

''اگر تم کوئی حکم کتاب اللہ میں پاؤ تو اس کے مطابق فیصلہ کردو اور اس کی موجودگی میں کسی دوسری چیز کی طرف توجہ نہ کرو اور اگر کوئی ایسا معاملہ آئے جس کا حکم کتاب اللہ میں نہ ہو تو رسول اللہ ﷺ کی سنت میں جو حکم ملے اس پر فیصلہ کرو۔اور اگر معاملہ ایسا ہو جس کا حکم نہ کتاب اللہ میں ہو اور نہ سنت رسول اللہ ﷺ میں تو اس کا فیصلہ اس قانون کے مطابق کرو جس پر اجماع ہو چکا ہو لیکن اگر کسی معاملہ میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ دونوں خاموش ہوں اور تم سے پہلے اس کے متعلق کوئی اجماعی فیصلہ بھی نہ ہوا ہو تو تمہیں اختیار ہے کہ یا تو پیش قدمی کر کے اپنی اجتہادی رائے سے فیصلہ کردو، یا پھر انتظار کرو اور میرے نزدیک تمہارا انتظار کرنا زیادہ بہتر ہے۔'' (۷۵)۔

یہ حضرت عمرؓ کا اپنا لکھا ہوا سرکاری ہدایت نامہ ہے، جو انہوں نے خلیفہ وقت کی حیثیت سے ضابطہ عدالت کے متعلق کوفہ ہائی کورٹ کے چیف جسٹس کو بھیجا تھا۔

۷۔ امام شاطبی نے موافقات میں حضرت عمرؓ کے وہ مکتوبات نقل کئے ہیں جو انہوں نے قاضی شریحؒ کے نام بھیجے تھے۔ان میں سے دو اقتباس ہم پیش کر رہے ہیں جن سے حضرت عمرؓ کے رویہ حدیث پر روشنی پڑتی ہے:

اذا اتاك امر فاقض بما فى كتاب الله فان اتاك ماليس فى كتاب الله فاقض بما سن فيه رسول الله(۷٦)۔

جب تمہارے پاس کوئی آدمی آئے تو تم جو کچھ کتاب اللہ میں ہے اس کے مطابق فیصلہ دو اگر

تمہارے پاس کوئی ایسی چیز آئے جو کتاب اللہ میں نہیں تو تم اس طریق پر فیصلہ کرو جو رسول کریم ﷺ کا اس میں تھا۔

انظر ماتبين لك فى كتاب الله فلا تسئل فيه احدا و مالم تبين لك فى كتاب الله فاتبع فى سنة رسول الله (۷۷)

تم دیکھو جو چیز تمہارے لئے کتاب اللہ میں واضح ہے اس بارے میں کسی سے مت سوال کرو اور جو چیز کتاب اللہ میں واضح نہیں ہے اس میں سنت رسول ﷺ کا اتباع کرو۔

۱۱۔ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰ ؓ کو والی بصرہ بنایا تو حضرت ابوموسیٰ ؓ نے مجمع عام میں تقریر کی جس میں خلافت کے اندازِ حکمرانی کو واضح کیا اس تقریر میں ان کا یہ جملہ قابل غور ہے:

بعثنى عمر لاعلمكم كتاب ربكم وسنة نبيكم(۷۸)۔

مجھے عمرؓ نے بھیجا ہے کہ میں تمہیں تمہارے رب کی کتاب اور تمہارے نبی ﷺ کی سنت سکھلاؤں۔

حضرت عثمانؓ اور حدیث نبوی ﷺ کا تشریعی مقام:

حضرت عمرؓ کے بعد تیسرے خلیفہ عثمانؓ ہیں۔آپؓ داماد رسول تھے اور شرافت وتقویٰ کے اعتبار سے حضور ﷺ کے ممتاز صحابہؓ میں سے تھے۔ رسول اللہ ﷺ سے اکتساب علم اور فیض تربیت حاصل کرنے میں دیگر خلفاء راشدین کی طرح انہیں بھی خصوصیت حاصل تھی۔ حدیث کی روایت میں آپ نے دوسرے صحابہ کرامؓ کی بہ نسبت زیادہ احتیاط برتی ہے آپ کی جملہ مرویات کی تعداد ایک سو چھیالیس ہے جن میں تین متفق علیہ ہیں۔آٹھ صرف بخاری میں اور پانچ صرف مسلم میں ہیں۔قلت روایت احتیاط کا نتیجہ ہے ورنہ آپ سنت کو دین میں حجت مانتے تھے اور خود احادیث بیان فرماتے تھے۔

۱۔ بیعت کے بعد اولین خطبہ جو انہوں نے دیا، اس میں علی الاعلان تمام مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''خبردار رہو، میں پیروی کرنے والا ہوں، نئی راہ نکالنے والا نہیں ہوں۔ میرے اوپر کتاب اللہ اور سنت نبی ﷺ کی پابندی کے بعد تمہارے تین حق ہیں جن کی میں ذمہ داری لیتا ہوں۔ ایک یہ کہ میرے پیش رو خلفاء کے زمانے میں تمہارے اتفاق واجتماع سے جو فیصلے اور طریقے طے ہو چکے ہیں، ان کی پیروی کروں گا۔ دوسرے یہ کہ جو امور اب اہل خیر کے اجتماع واتفاق سے طے ہوں گے ان پر عمل درآمد کروں گا۔ تیسرے یہ کہ تمہارے اوپر دست درازی کرنے سے باز رہوں گا جب

تک کہ تم ازروئے قانون مواخذہ کے مستوجب نہ ہوجاؤ''۔(۷۹)

۲۔ حضرت عثمانؓ کا خیال تھا کہ جس عورت کا شوہر فوت ہو جائے تو وہ جہاں چاہے عدّت گزار سکتی ہے لیکن حضرت ابوسعید خدریؓ کی بہن فریعہ بنت مالک نے اپنا واقعہ پیش کیا کہ میرا شوہر قتل کیا گیا تھا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا تو آپؐ نے شوہر کے مکان پر عدّت گزارنے کا حکم دیا، حضرت عثمانؓ نے اسی روایت کے مطابق فیصلہ کیا(۸۰)

۳۔ حضرت عثمانؓ کے ہاتھ پر جن الفاظ کے ساتھ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے بیعت کی تھی وہ یہ تھے:

أبايعك على كتاب الله وسنّة رسوله وسيرةِ ابى بكرٍ وعمر رضى الله عنهما(۸۱)

میں تمہارے ہاتھ پر، اللہ کی کتاب، اس کے رسولؐ کی سنت اور حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ کے طریقے پر بیعت کرتا ہوں) نیچے تاریخ گواہ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے دورِ خلافت میں سرمو بھی اس معاہدہ بیعت سے تجاوز نہ کیا۔

۴۔ حضرت عثمانؓ حج کے موسم میں تمتع کے قائل نہ تھے لیکن جب حضرت علیؓ نے حدیث بیان کی تو انہوں نے اپنے قول سے رجوع کرلیا۔(۸۲)

حضرت علیؓ اور حدیث نبوی ﷺ کا تشریعی مقام:

چوتھے خلیفہ حضرت علیؓ ہیں۔حضرت علیؓ رسول اللہ ﷺ پر سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں سے ہیں۔آپ رسول اللہ ﷺ کے چچازاد بھائی اور داماد ہیں۔آپ نے حضور ﷺ کے اخلاق سے بہرہ وافر پایا۔

۱۔ حضرت علیؓ کے پاس چند مرتد افراد لائے گئے، آپؓ نے ان کو آگ میں جلانے کا حکم دیا۔حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

من بدّل دينه فاقتلوه

جو دین بدل لے اس کو قتل کردو

یعنی مرتدین کا خاتمہ تلوار سے کیا جاسکتا ہے نہ کہ آگ میں جلا کر۔حضرت علیؓ نے یہ سن کر فرمایا: صدق ابن عبّاسٍ (ابن عباس سچ کہتے ہیں)۔(۸۳)

۲۔ حضرت علیؓ نے ایک مرتبہ فرمایا اگر دین کا مدار رائے اور قیاس آرائی پر ہوتا تو موزوں کے نیچے مسح کیا جاتا لیکن رسول اللہ ﷺ نے موزوں کے اوپر مسح کیا ہے۔(۸۴)

۳۔ حضرت علیؓ نے کتاب وسنت کے اتباع کے معاملہ میں ٹھیک وہی روش اختیار کی جس پر حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ

زندگی بھر قائم رہے حضرت علیؓ یہ دعا فرمایا کرتے تھے:

''خداوند جس طرح تو نے خلفائے راشدین کی رہنمائی فرمائی ہے مجھے بھی اپنی ہدایت سے مالا مال کردے''۔

کسی نے سوال کیا: ''خلفائے راشدین سے کون لوگ مراد ہیں؟'' اس موقع پر آپؓ کی آنکھیں اشک بار ہوگئیں اور فرمایا:

هما حبيباى ابو بكر وعمر اما ما الهدىٰ وشيخا الاسلام(۸۵)

خلفائے راشدین سے میری مراد ابو بکر وعمرؓ ہیں جو میرے محبوب ہیں، ہدایت کے امام ہیں اور اسلام کی باعظمت شخصیتیں ہیں۔

۴۔ حضرت علیؓ نے خلیفہ ہونے کے بعد اہل مصر سے بیعت لینے کے لیے اپنے گورنر حضرت قیس بن سعد بن عبادہ کے ہاتھ جو سرکاری فرمان بھیجا تھا اس میں وہ لکھتے ہیں:

''خبردار رہو، ہمارے اوپر تمہارا یہ حق ہے کہ ہم اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت کے مطابق عمل کریں اور تم پر وہ حق قائم کریں جو کتاب وسنت کی رو سے حق ہو، اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کو جاری کریں اور تمہاری بے خبری کی حالت میں بھی تمہارے ساتھ خیر خواہی کرتے رہیں۔'' (۸۶)

۵۔ حضرت علیؓ رسول اللہ ﷺ پر سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں سے ہیں۔ آپ رسول اللہ ﷺ کے چچازاد بھائی اور داماد ہیں۔ آپ نے حضور ﷺ کے اخلاق سے بہرہ وافر حصہ پایا۔ حدیث میں حضرت علیؓ کا طریق جداگانہ تھا۔ آپ کا یہ معمول تھا کہ جب کوئی آپ کے سامنے رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کرکے بات کرتا تو اس سے قسم لیتے تھے۔ شاید اس کی وجہ عہد عثمان میں برپا ہونے والے فتنے اور فساد بھی ہوں۔ (۸۷)

حدیث نبوی ﷺ کا تشریعی مقام اور ائمہ

امام ابوحنیفہؒ اور حدیث نبوی ﷺ کا تشریعی مقام:

امام ابوحنیفہؒ نے سنت کی اہمیت کے متعلق فرمایا:

۱۔ لو لا السّنّة ما فهم احدٌ منّا القرآن(۸۸)

اگر سنت نہ ہوتی تو ہم میں سے کوئی قرآن کو نہ سمجھ سکتا۔

۲۔ ايّاكم والقول فى دين اللّٰه بالرّأى وعليكم باتّباع السّنّة فمن خرج عنها ضلّ(۸۹)

اللہ کے دین کے معاملہ میں رائے اور قیاس سے بچو اور سنت کی پیروی کو اپنے اوپر لازم کرلو جو سنّت کے دائرے سے نکلا وہ گمراہ ہوا۔

۳۔ لم تزل النّاس فی صلاحٍ ما دام منھم من یطلب الحدیث فاذا طلبوا العلم بلا حدیثٍ فسدوا(۹۰)

لوگ برابر خیر وصلاحیت سے ہم کنار ہوں گے جب تک کہ ان میں حدیث کے طالب موجود رہیں گے اور جب وہ حدیث کو چھوڑ کر علم طلب کریں گے تو فساد اور بگاڑ کا نشانہ بن جائیں گے۔

٤۔ اذا صحّ الحدیث فھو مذھبی(۹۱)

صحیح حدیث (پرعمل) ہی میرا مذہب ہے۔

۵۔ اذا قلت قولاً یخالف کتاب اللّٰہ تعالیٰ ا وخبر الرّسول فاترکوا قولی(۹۲)

جب میں کوئی ایسی بات بیان کروں جو کتاب اللہ اور حدیثِ رسول کے خلاف ہو تو میری بات کو چھوڑ دو۔

امام مالکؒ اور حدیث نبویﷺ کا تشریعی مقام:

امام مالک کو امام دارالھجرۃ بھی کہا جاتا ہے۔آپ کوئی بھی کام خلاف سنت نہ کرتے تھے۔رسول اللہﷺ کی محبت ان کے دل میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ان کے اقوال ہیں:

۱۔انّما انا بشرٌ اخطیء وأصیب فانظروا فی رأی فکلّ ما وافق الکتاب والسنّة فخذوہ وکلّ ما لم یوافق الکتاب والسّنة فاترکوہ(۹۳)

میں ایک انسان ہی ہوں غلط اور صحیح دونوں قسم کے فتوے دے سکتا ہوں میر رائے میں غور کرو اگر کتاب وسنت کے مطابق ہو تو اسے قبول کرو ورنہ رد کردو۔

۲۔ لیس احدٌ الاّ ویؤخذ من قولہ ویترك الاّ النّبیﷺ (۹٤)

ہر شخص کی بات کو اختیار بھی کیا جا سکتا ہے اور چھوڑا بھی جا سکتا ہے۔سوائے حضرت محمدﷺ کے۔ (آپؐ کے قول کو بہرحال اپنانا ہی پڑے گا۔

امام شافعیؒ اور حدیث نبویﷺ کا تشریعی مقام:

حدیث کے بارے میں امام شافعی رحمہ اللہ بہت سے اقوال نقل کیے جا سکتے ہیں یہاں چند اقوال کو بیان کیا جاتا ہے۔

۱۔ أجمع المسلمون علی أنّ من استبان له سنّةٌ عن رسول اللّٰہ ﷺ لم یحلّ له أن یدعها بقول أحد(۹۵)

(تمام مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کی سنت سامنے آ جائے تو پھر اس بات کی گنجائش نہیں رہتی کہ اس کو کسی امتی کے قول کی بنا پر ترک کر دیا جائے)۔

۲۔ اذا وجدتم فی کتابی خلاف سنة رسول الله فقولوا بسنة رسول الله ودعوا ماقلت وفی روایة اتبعو ھاولا تلتفتوا الی قول احد(۹۶)۔

جب تم میری کسی کتاب میں اللہ کے رسول کی سنت کی مخالفت پاؤ تو سنت رسول کے مطابق فتوی دو اور جو میں کہہ رہا ہوں اس کو چھوڑ دو اور ایک روایت میں ان سے یہ الفاظ مروی ہیں کہ تم سنت رسول کی پیروی کرو اور کسی کے قول کی طرف مت متوجہ ہو۔

۳۔ اذاصح الحدیث فاضربوا بقولی الحائط(۹۷)

جب کوئی مسئلہ صحیح حدیث سے ثابت ہو جائے تو میرے قول کو دیوار پر دے مارو۔

۴۔ ''جب حدیث ثابت ہو جائے تو اسی وقت اس کو قبول کر لینا واجب ہے گو اس کے مطابق کسی امام کا عمل موجود نہ ہو۔''(۹۸)۔

۵۔ اذا ثبت الخبر عن النبی ﷺ لم یجز ترکه لشئی۔(۹۹)

جب نبی ﷺ سے کوئی خبر ثابت ہو جائے تو کسی چیز کیلئے اس کا ترک کرنا جائز نہیں ہے۔

۶۔اور ابو القاسم السمر قندی ؒ ''الامالی'' میں بیان کرتے ہیں کہ امام شافعی ؒ نے فرمایا:

''اگر تم مجھے کوئی ایسی بات کہتے ہوئے دیکھو جس کے خلاف نبی ﷺ کی صحیح حدیث موجود ہے تو جان لو کہ میری عقل جا چکی ہے۔''(۱۰۰)۔

امام احمد بن حنبل ؒ اور حدیث نبوی ﷺ کا تشریعی مقام:

امام احمد بن حنبل کا احادیث کی جمع و ترتیب اور درس و تدریس سے جو شغف رہا ہے اس کا انکار کس کو ہو سکتا ہے چنانچہ مسند احمد بن حنبل میں 30ہزار کے قریب احادیث ہیں وہ فرماتے ہیں:

1۔من ردّ حدیث رسول اللّٰہ ﷺ فھو علی شفا ھلکةٍ(۱۰۰)

جس نے رسول اللہ ﷺ کی حدیث کو رد کیا وہ ہلاکت و تباہی کے کنارے پر پہنچ گیا۔

2۔ لا تقلدنی ولا تقلدوا ما لکا ولا الشافعی ولا الاوزاعی ولا الثوری وخذوا من حیث

اخذوا(۱۰۲)۔

''نہ میری تقلید کرو نہ امام مالک کی، نہ امام شافعی کی، نہ امام اوزاعی کی اور نہ امام ثوری کی بلکہ ہر حکم وہیں سے لو جہاں سے یہ لوگ اخذ کرتے ہیں (یعنی کتاب وسنت کی طرف رجوع کرو۔''

3۔ رأی الأوزاعیی رأی ورأی مالك رأی ورأی أبی حنیفة کله رأی وھو عندی سواء وانما الحجة فی الآثار(۱۰۳)۔

''امام اوزاعی، امام مالک اور امام ابوحنیفہ کی آراء کی حیثیت محض رائے کی ہی ہے۔ میرے نزدیک یہ تمام آراء برابر ہیں اور حجت تو فقط آثار ہی ہیں۔''

مشاہیر امت اور سنتِ نبوی ﷺ

امام ابن تیمیہؒ اور سنت نبوی ﷺ:

امام ابن تیمیہؒ(م ۷۲۸ھ) کے نزدیک بھی ہر سنّت مستقل حجت ہے، خواہ قرآن کی شارح یا مفسر ہو یا نہ ہو، وہ سنت کی تین قسمیں قرار دیتے ہیں اور تینوں کو حجت مانتے ہیں۔

۱۔ وہ سنت متواترہ جو ظاہرا قرآن کے خلاف نہ ہو بلکہ اس کی مفسر ہو۔ مثلاً نمازوں کی تعداد، رکعات کی تعداد یا زکوٰۃ کا نصاب یا حج کے ارکان وغیرہ۔ اس طرح کے دوسرے احکام سنت ہی سے معلوم ہو سکتے ہیں اور علماء اسلام کا ان کے بارے میں اجماع ہے یہ قرآن کا تتمہ اور تکملہ ہیں۔ پس جو ان کی حجیت کا انکار کرتا ہے وہ علم دین کا انکار کرتا ہے، رکن اسلام کو منہدم کرتا ہے اور اسلام کا حلقہ اپنی گردن سے اتار پھینکتا ہے۔

۲۔ ایسی سنت متواترہ جو قرآن کی تفسیر نہیں کرتی، نہ ظاہر قرآن کے خلاف ہے لیکن ایسے حکم کو بتاتی ہے جو قرآن میں صراحۃً مذکور نہیں ہے جیسے زانی کے لیے (جبکہ شادی شدہ ہو) سنگ سار کرنے کی سزا، یا نصاب سرقہ کی تعیین، تمام سلفِ امّت اس قسم کی سنت پر بھی عمل ضروری سمجھتے ہیں، سوائے خوارج کے''۔

شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور حدیث نبوی ﷺ:

شاہ ولی اللہ دہلویؒ (م ۱۱۷۹ھ) تفسیر، حدیث، فقہ اور تصوف ان چاروں علوم میں مہارت رکھتے ہیں اور ان سب کے بارے میں ان کی مشہور ومعروف تصانیف موجود ہیں۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی اہمیت وعظمت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> اما الصحیحان فقد اتفق المحدثون علی أنّ جمیع ما فیھما من المتصل المرفوع صحیح بالقطع، وانھما متواتران الی مضیفھما وانّه کل من یھوّن امرھما فھو مبتدعٌ ، متبعٌ غیر

سبیل المؤمنین۔۔۔۔۔ الخ (۱۰٤)

کا معاملہ یہ ہے کہ محدثین کرام نے اتفاق رائے سے یہ طے کیا ہے کہ ان دونوں کتابوں میں جو احادیث متصل مرفوع پائی جاتی ہیں وہ قطعی طور پر صحیح ہیں، اور یہ دونوں متواتر طریقے کے ساتھ مصنفین (امام بخاری و مسلم) سے مربوط ہیں، اور واقعہ یہ ہے کہ جو شخص بھی ان دونوں کا درجہ گھٹانے کی کوشش کرے گا، اور ان کے ساتھ توہین وتحقیر سے پیش آئے گا تو وہ بدعتی ہے اور ایمان والوں کی راہ چھوڑ کر دوسرے راستے کی پیروی کرنے والا ہے۔

اللہ کے نبی کی بات قرآن کے خلاف کسی صورت بھی نہیں ہوسکتی۔ ایسی سوچ کے حامل روحانی اور ذہنی مریض ہیں اور علمی طور پر ان کی سوچ درست نہیں۔

اسی طرح حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں: تمام علوم میں سب سے افضل اور اعلیٰ جس کو دین کی بنیاد سمجھنا چاہیے، علم حدیث ہے کہ جس میں رسول اللہ ﷺ کے جملہ اقوال و افعال کو محفوظ رکھا گیا ہے اور اس میں وہ واقعات بھی ہیں، جو آپ ﷺ کے سامنے ہوئے، اور آپؐ نے اپنے سکوت سے اس کے مباح ہونے پر مہر تصدیق ثبت فرما دی۔ آپ کے یہ افعال و اقوال اور آپ کا یہ سکوت ہمارے لئے مشعل راہ ہیں، جن کی روشنی میں اگر ہم اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کا راستہ طے کرنا چاہیں، تو منزل مقصود تک پہنچنے میں قطعاً کوئی شک باقی نہیں رہتا، اس راستہ پر چلنے والے کے لئے صراط مستقیم سے بھٹک جانے کا کوئی خطرہ نہیں، جس نے رسول اللہ ﷺ کی حدیث پر عمل کیا وہ راہ یاب ہوا، اور جس نے اس سے منہ پھیرا وہ یقیناً گمراہ ہے، اس پر عمل کرنے میں خیر کثیر ہے، اور اس پر عمل نہ کرنا خُسرانِ مبین ہے، رسول اللہ ﷺ کے کلام میں (جس کا دوسرا نام حدیث ہے) امر و نہی، یا بالفاظ دیگر احکام شرعیہ کی تشریح ہے، آپؐ نے اس بات کی تصریح فرمائی ہے کہ حدیث کو بھی قرآن مجید کی طرح اہمیت حاصل ہے اور احادیث نبویہ کی مقدار، احکام قرآنی کے برابر یا اس سے بھی زائد ہے۔ (۱۰۵)

علامہ اقبالؒ اور سنت نبوی ﷺ:

عام طور پر ایک گروہ علامہ اقبال کو منکرینِ سنت میں سے شمار کرتا ہے حالانکہ ان کی نثر و نظم گواہ ہے کہ وہ دین مبین میں سنت کو شرعی حجت مانتے تھے۔ اس کے متعلق چند شواہد ملاحظہ ہوں:

۱۔ ایک خط میں نشان ہلال کے بارے میں حدیث سے استدلال کرتے ہیں، تمام اُمت کا صدیوں سے اس پر اجماع ہے، جن اسلامی قوموں کا نشان اور ہے، وہ اس نشان پر کبھی معترض نہیں ہوئیں، اور حدیث صحیح ہے کہ میری اُمّت کا اجماع ضلالت پر نہیں ہوگا۔ اس واسطے اس کو (یعنی نشانِ ہلال کو ضلالت تصور کرنا درست نہیں ہے۔ (۱۰٦)

۲۔ ان (احادیث میں) ایسے بیش بہا اصول ہیں کہ سوسائٹی باوجود اپنی ترقی اور تعلّی کے اب تک ان کی بلندیوں تک نہیں پہنچی، (۱۰۷)

۳۔ ایک مرتبہ ایک صاحب نے ان (علامہ اقبال) کے سامنے بڑے اچنبھے کے انداز میں اس حدیث کا ذکر کیا جس میں بیان ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ''اصحاب ثلاثہ'' یعنی وحضرات ابوبکر، عمر، عثمان رضی اللہ عنھم کے ساتھ اُحد (پہاڑ) پر تشریف رکھتے تھے، اتنے میں اُحد لرزنے لگا اور حضورؐ نے فرمایا کہ ٹھہر جا'' تیرے اوپر ایک نبیؐ، ایک صدیقؓ اور دو شہیدوںؓ کے سوا کوئی نہیں ہے''۔ اس پر پہاڑ ساکن ہو گیا، اقبال نے حدیث سنتے ہی کہا کہ اس میں اچنبھے کی کونسی بات ہے؟ میں اسکو استعارہ، مجاز نہیں بلکہ ایک مادی حقیقت سمجھتا ہوں اور میرے نزدیک اس کے لیے کسی تاویل کی ضرورت نہیں ہے، اگر تم حقائق سے آگاہ ہوتے تو تمہیں معلوم ہوتا کہ ایک نبی کے نیچے، مادے کے بڑے بڑے تودے بھی لرز اٹھتے ہیں، مجازی نہیں واقعی لرز اٹھتے ہیں'' (۱۰۸)

خلاصۂ بحث:

قرآن حکیم کی تصریحات، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات عالیہ، آئمہ عظام اور مشاہیر امت کے اقوال اس امر پر صراحت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث اور سنت جو دراصل منصب نبوت کا ہی ایک تشریعی مقام ہے۔ ہر دور میں حجت رہا ہے۔ اسلامی قانون کی تشریحات وتعبیرات میں اس اہم مأخذ کو کسی طرح نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ اگر کوئی اس طرح کرتا ہے تو اس کا ایمان مشکوک ہوجاتا ہے۔

حوالہ جات وحواشی

(۱) الاحزاب،۳۳:۲۱

(۲) ابن عبدالبر، یوسف بن عبداللہ، ابوعمر، التمہید (دار الکتاب العلمیہ، بیروت ۲۰۱۰ء)، ۱/۱۵۰۔

(۳) الاعراف،۷:۱۵۸

(۴) النساء،۴:۱۵۲

(۵) الانعام،۶:۳۳

(۶) سلفی، محمد اسماعیل، مولانا، حجیت حدیث، (فاران اکیڈمی، لاہور) ص:۱۸۱-۱۸۲۔
(۷) الانعام،۶:۸۲
(۸) قرطبی، محمد بن احمد بن ابی بکر، ابوعبداللہ، الجامع الاحکام القرآن (دارالکتب المصریۃ، القاھرۃ، الطبعۃ الثانیہ، ۱۹۶۴ء) ۳۰/۷۔
(۹) البقرہ،۲:۱۸۷
(۱۰) بغوی، حسین بن مسعود، ابومحمد، معالم التنزیل، (دارطیبۃ المدینہ المنورہ) ۲۰۸/۱
(۱۱) النساء،۴:۶۴
(۱۲) النساء،۴:۵۹
(۱۳) الخطیب التبریزی، محمد بن عبداللہ، مشکوٰۃ المصابیح (المکتبہ التجاریہ، بیروت) ص:۳۳۹، حدیث نمبر:۳۶۹۶۔
(۱۴) النور،۲۴:۵۴
(۱۵) سیالکوٹی، محمد صادق، مولانا، ضربِ حدیث (نعمانی کتب خانہ، لاہور) ص:۵۷-۵۸
(۱۶) الاحزاب،۳۳:۲۱
(۱۷) کتاب مقدس (بائبل سوسائٹی، انارکلی، لاہور) میتھیو، باب: ۵، آیت: ۳۹۔
(۱۸) المائدہ،۵:۳۸
(۱۹) نسائی، احمد بن شعیب، السنن (دارالسلام، الریاض، ۱۹۹۹ء) ص:۶۷۶، حدیث نمبر: ۴۹۰۷۔
(۲۰) البقرہ،۲:۲۷۸۔
(۲۱) ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، ابوالفداء، تفسیر القرآن العظیم، (دارطیبۃ المدینہ المنورۃ، ۱۹۹۹ء) ۷۱۷/۱۔
(۲۲) ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ۲۹۰/۱۔
(۲۳) الحجرات،۴۹:۱۳
(24) (Majid Ali Khan, Dr, MUHAMMAD the Final Messenger (Sh. Muhammad Ashraf,Aibak road, new anarkali LHR) P:341.
(۲۵) بخاری، الجامع الصحیح، ص:۱۰۸۵، حدیث نمبر:۶۲۳۶۔
(۲۶) ترمذی، محمد بن عیسیٰ، الشمائل المحمدیہ، (مئوسسہ الکتب، بیروت، ۱۴۱۲ھ) ص: ۷۵۔
(۲۷) بخاری، الجامع الصحیح، ص:۳۹۴، حدیث نمبر:۲۴۴۲۔
(۲۸) بخاری، الجامع الصحیح، ص:۳۹۴، حدیث نمبر:۲۴۴۲۔
(۲۹) الحشر،۵۹:۹

(۳۰) بخاری، الجامع الصحیح، ص:۱، حدیث نمبر:۳۔
(۳۱) النحل،۱۶: ۵۸-۵۹
(۳۲) النساء،۴: ۱۲۴
(۳۳) ابن ماجہ، محمد بن یزید، السنن (دارالسلام، الریاض ۱۹۹۹ء) ص:۲۸۳، حدیث نمبر:۱۹۷۷۔
(۳۴) نسائی، السنن، ص:۴۶۹، حدیث نمبر:۳۳۹۱۔
(۳۵) المائدہ،۵: ۳
(۳۶) الفتح،۴۸: ۲۳
(۳۷) فاطر،۳۵: ۴۳
(۳۸) شوکانی، محمد بن علی، ارشاد الفحول (دارالکتاب العربی، بیروت) ۹۵/۱۔
(۳۹) ایضاً
(۴۰) الاعراف،۷: ۱۵۷
(۴۱) الحشر،۵۹: ۷
(۴۲) النساء،۴: ۵۹
(۴۳) الاحزاب،۳۳: ۲۱
(۴۴) النساء،۴: ۸۰
(۴۵) الحشر،۵۹: ۷
(۴۶) آل عمران،۳: ۳۱
(۴۷) النور،۲۴: ۵۴
(۴۸) النساء،۴: ۶۵
(۴۹) الاحزاب،۳۳: ۳۶
(۵۰) النحل،۱۶: ۴۴
(۵۱) آل عمران،۳: ۹۷
(۵۲) ترمذی، السنن، ص:۲۰۳، حدیث نمبر:۸۱۳۔
(۵۳) البقرہ،۲: ۱۷۳
(۵۴) الشافعی، المسند، باب کتاب الصید والزبائح
(۵۵) ابن ماجہ، السنن، ص:۴۸۰، حدیث نمبر:۳۳۱۴۔
(۵۶) ابن ماجہ، السنن، ص:۴۸۰، حدیث نمبر:۳۳۱۴۔

(۵۷) ابن ماجہ، السنن، ص:۳۹۲، حدیث نمبر:۲۷۲۴۔

(۵۸) بخاری، الجامع الصحیح، ص:۷۱۹، حدیث نمبر:۴۲۴۰۔

(۵۹) بیہقی، احمد بن حسین، ابوبکر، السنن الکبریٰ (دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۱۰ء) ۲۴۷/۸

(۶۰) احمد بن حنبل، المسند، ۲/۱۔

(۶۱) ابن القیم، محمد بن ابی بکر، الجوزیہ، اعلام الموقعین، (طبع مصر) ۶۲/۱۔

(۶۲) السیوطی، عبدالرحمن، جلال الدین، تاریخ الخلفاء، (طبع بیروت) ص:۳۹۔

(۶۳) نسائی، السنن، ص:۳۳۹، حدیث نمبر:۲۴۵۷۔

(۶۴) نسائی، السنن، ص:۳۳۹، حدیث نمبر:۲۴۵۷۔

(۶۵) بخاری، الجامع الصحیح، ص:۲۲۵، حدیث نمبر:۱۴۰۰۔

(۶۶) بخاری، الجامع الصحیح، ص:۲۲۵، حدیث نمبر:۱۴۰۰۔

(۶۷) ابن سعد، محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ (دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۷ء) ۱۳۶/۳۔

(۶۸) طبری، محمد بن جریر، ابوجعفر، تاریخ الطبری (دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۰۵ء) ۲۴۵/۲

(۶۹) طبری، تاریخ الطبری، ۲۴۵/۲۔

(۷۰) شعرانی، مقدمة المیزان (مطبوعہ قاہرہ)، ص۶۲۔

(۷۱) ابن القیم الجوزیہ، اعلام الموقعین، ۱۱۷/۱۔

(۷۲) مسلم، الجامع الصحیح، ص:۹۸۳، حدیث نمبر:۵۷۸۴۔

(۷۳) شاطبی، الاعتصام بالکتاب والسنة، ۸۸/۱۔

(۷۴) مالک بن انس، مؤطا، ج:۲، ص:۸۲۴ تحقیق محمد فواد عبدالباقی)۔

(۷۵) ابن القیم الجوزیہ، اعلام الموقعین، ۶۱/۱-۶۲۔

(۷۶) ایضاً

(۷۷) ایضاً

(۷۸) طبری، التاریخ، ۴۹۳/۲۔

(۷۹) طبری، التاریخ، ۵۸۹/۲-۵۹۲۔

(۸۰) امام مالک، مؤطا، ص:۷۱۲۔

(۸۱) احمد بن حنبل، المسند، ۷۵/۱۔

(۸۲) نسائی، السنن، ص:۳۷۸، حدیث نمبر:۲۷۳۴۔

(۸۳) ترمذی، السنن، ص:۳۵۴، حدیث نمبر:۱۴۵۸۔

(۸۴) ابوداوًد، السنن، ص:۳۴، حدیث نمبر:۱۶۲۔

(۸۵) سیوطی، تاریخ الخلفاء، ص:۱۶۷۔

(۸۶) طبری، التاریخ،۲/۷۰۱۔

(۸۷) طبری، التاریخ،۲/۷۰۲۔

(۸۸) قاسمی، جمال الدین، قواعد التحدیث، ص:۲۱۔

(۸۹) قاسمی، قواعد التحدیث، ص:۲۳۔

(۹۰) قاسمی، قواعد التحدیث، ص:۲۳۔

(۹۱) ابن عابدین، محمد امین بن عمر، حاشیہ ابن عابدین، ۱/۶۳۔

(۹۲) الشیخ الفلانی، ایقاظ الھمم، ص:۵۰۔

(۹۳) ابن عبدالبر، یوسف بن عبداللہ، جامع بیان العلم ،۲/۳۲۔

(۹۴) ابن حزم، الاحکام فی اصول الاحکام، ۶/۱۳۵

(۹۵) ابن القیم، اعلام الموقعین، ۲/۳۶۱

(۹۶) ابن القیم، اعلام الموقعین،۲/۳۶۱۔

(۹۷) ابن القیم، اعلام الموقعین،۲/۲۹۲۔

(۹۸) شافعی، محمد بن ادریس، الرسالۃ (دارالکتب العلمیہ ، بیروت)، ص:۱۲۳،۱۲۴۔

(۹۹) شافعی، الام، (دارالوفاء، دار ابن حزم، بیروت، ۲۰۱۱ء)۳/۵۹۲

(۱۰۰) مختارات سلفیہ، ص:۲۹۔

(۱۰۱) ابن الجوزی، مناقب احمد بن حنبل، ص۱۸۲۔

(۱۰۲) ابن القیم، اعلام الموقعین،۲/۳۰۲۔

(۱۰۳) ابن عبدالبر، جامع بیان العلم و فضلہ،۲/۱۴۹۔

(۱۰۴) دہلوی، شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ (دارالمعرفہ، بیروت،۲۰۰۴ء)۱/۳۰۶۔

(۱۰۵) دہلوی، حجۃ اللہ البالغہ،۱/۳۰۶۔

(۱۰۶) اقبال نامہ، ۱/۳۳۷۔

(۱۰۷) حوالہ مذکور، ص۱۰۲۔

(۱۰۸) جوہر اقبال، ص۳۸ نیز اقبال کامل، ص۶۴ تا ۶۶۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆